# فکر اسلامی کا عظیم سرمایہ (۴)

## ایک مطالعاتی جائزہ

## ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی تحریروں سے اقتباسات

مرتب: محمد موسیٰ بھٹو

© rasailojaraid

### ایک نظریاتی جماعت کا دوسری نظریاتی جماعت کو نظامِ تعلیم کے ذریعہ ناکارہ بنانا

عضوی جسم کی زندگی پر ایک تقاضا مسلط رہتا ہے' وہ یہ کہ اس کی عضوی زندگی کو بقاء نصیب ہو۔ نظریاتی جماعت کی زندگی پر جس تقاضے کا تسلط رہتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے مسلک کی محبت قائم رہے۔ جسم کے اندر ایک عضو ہوتا ہے' جس کو دل کہتے ہیں' زندگی کا مرکز یہی ہے' یہیں سے دوسرے اعضاء کو سیالِ حیات تقسیم ہوتا ہے' جس سے ان کی پرورش ہوتی ہے۔ اسی طرح نظریاتی جماعت میں ایک نظام ہوتا ہے' یعنی جماعت کا نظامِ تعلیم' یہی محبت کا مرکز ہے' یہیں سے تصورات تقسیم ہوتے ہیں جو افراد کے دلوں میں نظریہ کی محبت کو غذا پہنچاتے ہیں۔ جس طرح کوئی جانور دوسرے ذی حیات کا مرکزِ حیات ناکارہ کردے تو اس کو ہلاک کرسکتا ہے اسی طرح سے ایک نظریاتی جماعت دوسری جماعت کو اس کا نظامِ تعلیم ناکارہ بنا کر صفحۂ ہستی سے مٹا سکتی ہے۔ مثال یہ ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد جب جاپان' جرمنی اور اطالیہ پر فاتح فریق کا قبضہ ہوگیا تو نازی' میکا دوی اور فسطائی نظریات کو موت کی نیند سلا دینے کے بعد ان ممالک کے تعلیمی نظام بلا توقف برباد کر دیئے گئے۔ (تعلیم کے ابتدائی اصول' حصہ دوم' صفحہ ۳۶۔ تصنیف: ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ)

© rasailojaraid.c

## تعلیم بجز انتقالِ محبت کے اور کچھ نہیں

تعلیم بجز اِس کے کچھ نہیں کہ نصب العین سے ہم آہنگ جو تصورات' جو حقائق' جو عادات' رویئے' خیالات' رجحانات' اغراض اور مداعیاں عزیز ہو گئی ہیں' جو رغبتیں اور نفرتیں دل میں بس گئی ہیں' جن اُمیدوں اور عزائم سے پیار ہے' مختصر یہ کہ نصب العین اور اس کے تقاضوں سے جو اُلفت ہے وہ ایک قلب سے دوسرے قلب میں منتقل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک دو دل باہم محبت نہ کریں' ایک دوسرے کے محب و محبوب نہ بنیں' اس وقت تک انتقالِ محبت کا عمل ظہور میں نہیں آ سکتا۔ (ایضاً صفحہ ۴۶)

## دنیا میں عقیدۂ توحید کے پھیلاؤ کے لئے بہتر صورت

مسلمان قوم تاریخ عالم میں اپنا رول جو اِس کے لئے مقرر ہو چکا ہے' اس طرح سے سَر کر سکتی ہے کہ عقیدۂ توحید کو پھر سے مظاہر قدرت کے علم کے ساتھ جوڑ کر ایک مؤثر آلۂ تسخیرِ قلوب بنائے۔ اس غرض کے لئے اسے کسی ایک اسلامی ملک میں جہاں حالات سازگار ہوں' سب سے پہلے ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ہے' جس کی نصابی کتابیں عقیدۂ توحید پر مبنی ہوں۔ پھر یہ یونیورسٹی ہر سال صحیح اور سچے مسلمانوں کی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ایک تعداد پیدا کرے گی۔ اس سے عقیدۂ توحید دنیا میں پھیلے گا۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں علوم کو مسلمان کرنے کا مقصد اس یونیورسٹی کے وجود میں آنے کے بعد خود بخود حاصل ہو جائے گا' کیونکہ اس یونیورسٹی کے علوم کی برجستگی اور معقولیت خود بخود لوگوں کو اِن کی طرف مائل کرے گی۔ باطل خس و خاشاک کی طرح ہے' خواہ اس کے لاکھوں ابناء ہوں' حق کی ایک چنگاری اسے شعلہ بنا کر اڑا دینے کے لئے کافی ہے۔ (مضمون ڈاکٹر محمد رفیع الدین' ماہانہ اسلامی تعلیم لاہور' نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء)

## انسان کی جبلت کو چلانے والی پُر اِسرار قوت

انسان کی شخصیت ایسی بگھی کی مانند ہے جسے کوئی کوچوان چلا رہا ہو۔ انسان میں اعلیٰ درجہ کے حیوان کی جملہ خصوصیات مثلاً بچوں کی پرورش' جنسی خواہش' فرار'

جھگڑالو پن، خود نمائی اور خود پسندی وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ تاہم حیوان کے برعکس وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنی کسی جبلت کی تسکین کو اپنی مرضی کے مطابق محدود کر سکے، تاکہ تمام جبلتوں کی ایک منتخب سمت میں منظم اور متحد طریق سے رہنمائی کر سکے۔ حیوان کی طرح جبلتوں کی یہ روک تھام خود بخود اور غیر رضا کارانہ نہیں ہوتی، بلکہ رضا کارانہ انتخاب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی خواہشات کی ایسے انداز میں روک تھام کرتا ہے کہ کسی خاص جبلت کی خواہش اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ اپنی جبلتوں سے فاقہ کشی کراتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی زندگی بھی جبلتوں کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے، جس کے لئے یہ تمام جبلتیں سرگرم عمل ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اپنے عمل کے لئے منتخب راستہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔ حیوان کی زندگی جداگانہ سرگرمیوں سے عبارت ہوتی ہے۔ ہر سرگرمی کسی نہ کسی خواہش کی مغلوب ہوتی ہے اور اس کے مختلف مرحلوں میں کوئی رابطہ نہیں پایا جاتا۔ دوسری طرف انسان کی تمام سرگرمیاں اکائی کی صورت میں منظم ہوتی ہیں۔ ہر سرگرمی کی، خواہ وہ کسی حد تک بڑھنے کی مجاز ہو، ایک خاص انداز میں رہنمائی کی جاتی ہے اور اسے قابو میں رکھا جاتا ہے، تاکہ وہ نامیاتی طور پر کُل کا حصہ بن جائے۔ انسان میں پایا جانے والا جبلتوں کا یہ نظم وضبط، اتحاد، تسلط اور رہنمائی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس میں ایسی زبردست خواہش موجود نہ ہو جو دوسری تمام خواہشوں پر غلبہ پا سکے اور ان پر حکم چلا سکے۔ یہی خواہش یا جبلت وہ پُر اَسرار قوت ہوتی ہے جو انسانی شخصیت کی بگھی کو چلاتی ہے۔ اس جبلت کو سمجھنا انسان کی حقیقت سے باخبر ہونے کے مترادف ہے، کیونکہ یہی خواہش انسان کی جملہ سرگرمیوں خواہ وہ سیاسی، قانونی، عسکری، معاشی، اخلاقی، تعلیمی، فکری اور مذہبی ہوں یا فنکارانہ، کا سبب ہوتی ہے۔ اسی جبلت نے تاریخ کو موجودہ شکل بخشی۔ کیونکہ تاریخ انسانی شخصیت کی بگھی کے کوچوان کی اس طویل کوشش کے سوا کچھ نہیں، جس کا مقصد انسان اور معاشرہ کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ (ایضاً)

© rasailojaraid.

## ہمارے نظامِ تعلیم کی کمزوریاں اور ان کی اصلاح کا طریقِ کار

(۱) اسلامی تعلیم کے معنی یہ نہیں کہ ہم اسلامیات کے ایک مضمون کو آٹھویں جماعت تک نصابِ تعلیم میں شامل کر دیں۔ اگر ہم اسلامیات کے علیحدہ مضمون کو ایم اے اور ایم ایس سی کی آخری جماعت تک بھی شامل کر دیں تو اس سے ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی نہیں بن سکتا۔ اسلامی نظامِ تعلیم وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام علوم کی نصابی کتابیں اسلام کے نظریۂ انسان و کائنات کے مطابق ہوں۔ چونکہ اسلام کے نظریۂ انسان و کائنات کی روح خدا کا تصور ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نظامِ تعلیم اسلامی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں تمام سائنسی علوم کی نصابی کتابیں اس طرح نہ لکھی گئی ہوں کہ خدا کا تصور ان کے مواد کو منظم کرنے والا مرکزی اور محوری تصور ہو۔

مغرب میں جو مختلف علوم کی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اسلامی نظریۂ کائنات کے مطابق نہیں' کیونکہ ان کتابوں کا بنیادی اعتقاد یہ ہے کہ صداقت وہی ہے جسے ہم حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ اعتقاد درست نہیں' اس لئے جو علوم اس اعتقاد کی روشنی میں مرتب کئے گئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی پہلو سے ناتمام اور ناقص رہ گئے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظریۂ کائنات کے مطابق سب سے بڑی صداقت جو تمام صداقتوں کی ابتدا اور انتہا ہے' خدا ہے۔ اگرچہ ہم خدا کو براہِ راست نہیں دیکھ سکتے' تاہم مظاہرِ قدرت کے اندر جو نظم اور مقصد کے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم خدا کے تصور کو ایک ایسے معقول علمی تصور کے طور پر قبول کریں جو تمام علوم کی جان ہو۔ علوم کے متعلق مغربی تہذیب اور اسلام کے نقطۂ نظر کے اس بنیادی فرق کی وجہ سے اسلام مغرب کے ہر علمی موقف کو مِن و عَن تسلیم نہیں کرتا' بلکہ ہر علمی مسئلہ کے متعلق اپنے بنیادی تصورات کی روشنی میں اپنی جداگانہ رائے قائم کرتا ہے اور اپنا الگ فیصلہ صادر کرتا ہے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اسلام کے نزدیک حق کیا ہے اور باطل کیا ہے' درست کیا ہے اور غلط کیا ہے' معقول کیا ہے اور نامعقول کیا ہے؟ قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ حکمت کی کتاب ہے اور اُس ذاتِ پاک

نے نازل کی ہے جو آسمان اور زمین کے اَسرار و رموز کو جانتا ہے:

﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (الفرقان:٦)

''(اے پیغمبر!) کہیے کہ اسے اُس ذاتِ پاک نے نازل کیا ہے جو کائنات کے اسرار و رموز جانتا ہے۔''

پھر قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے:

﴿لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (الانفال:٨)

''تاکہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دے دے۔''

اور وہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ علمی مسائل سمیت ان تمام مسائل کے بارہ میں اپنے فیصلے صادر کرے جن میں لوگ اختلاف رکھتے ہیں:

﴿لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾ (البقرۃ:٢١٣)

''تاکہ ان مسائل میں لوگوں کے درمیان فیصلے صادر کرے جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔''

چنانچہ قرآن حکیم انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ہمیں ایسے تصورات عطا کرتا ہے جن کی روشنی میں ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کے نزدیک علم، عقل، حکمت، سائنس، طبیعیات، حیاتیات، نفسیات، سیاست، فن، اخلاق، تعلیم، اقتصاد، قانون، تاریخ، ارتقاء، نبوت، انسان، جبلت، نصب العین ایسے موضوعات کے متعلق صحیح نقطۂ نظر کیا ہے۔ ان سب موضوعات کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر خدا کے عقیدہ پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ تعلیم میں خدا کا تصور تمام علوم کا محوری تصور ہے۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں بے خدا طبیعیات، بے خدا حیاتیات، بے خدا نفسیات، بے خدا سیاست، بے خدا قانون، بے خدا اقتصادیات، بے خدا تاریخ، بے خدا تعلیم اور ایسے اور بے خدا علوم اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازیٹوزم)، بی ہیویئرزم (نظریۂ کردار)، مارکسزم، فرائیڈزم، ایڈلرزم، میکڈوگلزم ایسے بے خدا فلسفے علمی نظریات کی حیثیت سے پڑھائے نہیں جا سکتے، بلکہ صرف ان کی منطقی اور عقلی غلطیوں کو سمجھانے کے لئے پڑھائے جا سکتے ہیں، کیونکہ

© rasailojaraid.com

ان علوم اور نظریات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کس طرح سے جب کوئی علم نظریۂ خدا کے تصور سے الگ ہوکر وجود میں آئے تو اس میں عقلی اور منطقی خامیاں اور ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم ایسے نظریات کی خامیوں اور ناکامیوں کو دریافت کر کے آشکار کرتا ہے۔ (اسلامی تعلیم، مئی، جون ۱۹۷۲ء)

تہذیب مغرب کے اس بنیادی عقیدہ نے کہ صداقت وہی ہے جسے ہم حواس خمسہ سے دریافت کرسکیں اور خدا ایک ایسی صداقت نہیں، جتنا برا اثر انسانی اور سماجی علوم مثلاً فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ اقتصاد، فلسفۂ تاریخ، فلسفۂ نفسیاتِ فرد اور فلسفۂ نفسیاتِ جماعت، فلسفۂ علم اور فلسفۂ فن وغیرہ پر ڈالا ہے اتنا طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم پر نہیں ڈالا۔ طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم میں تو پھر بھی مغرب کے سائنس دان بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے مدعی ہیں (اگرچہ وہ کامیابیاں ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہیں جو اِن علوم میں خدا کے تصور کو داخل کرنے سے انہیں حاصل ہوسکتی ہیں) لیکن انسانی علوم میں وہ اپنی لاعلمی اور بے بسی کا اعتراف روروکر کرتے ہیں۔ ان علوم میں ان کی بے مائیگی کا سبب یہ ہے کہ خدا کے اسلامی تصور کے دو پہلو ہیں، ایک تو یہ کہ خدا کائنات کا خالق ہے اور اس کی ذات اور صفات مظاہر قدرت کے اندرونی نظم اور مقصد میں آشکار ہیں، اور دوسرا یہ کہ انسان سراسر خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے اور یہی جذبہ اس کے تمام اعمال وافعال کی قوتِ محرکہ ہے۔ اگر اس تصور کا یہ دوسرا پہلو بھی صحیح ہے، جیسا کہ درحقیقت صحیح ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تصور کی روشنی کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ فطرتِ انسانی بھی اعمال انسانی کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کے معقول اور مدلّل اور قابلِ فہم فلسفے (جن کو انسانی اور سماجی علوم کہا جاتا ہے) مدوّن نہیں کرسکتا۔

## علوم سے خدا کے تصور کو نکالنے کے نتائج، بعض مغربی مفکرین کا رونا

مغرب کے لوگ چونکہ اپنی تہذیب کے حسی صداقت کے بنیادی عقدہ کے زیر اثر اور اس کلیدی تصور کی روشنی کے بغیر ان علوم کو مدوّن کرتے رہے ہیں، لہٰذا ناکام اور

نامراد رہے ہیں۔ لیکن وہ بدقسمتی سے اب بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر وہ ان علوم کی طرف زیادہ توجہ کریں تو وہ اس تصور کی روشنی کے بغیر ان علوم کے اسرار و رموز سے پردہ کشائی کر سکیں گے۔ مغرب کا ایک ماہر نفسیات سکنر (Skinner) لکھتا ہے:

''سائنس کی ترقی غیر متوازن طور پر ہوئی ہے۔ آسان مسائل کو پہلے گرفت میں لے لینے کی وجہ سے اس نے بے جان قدرت پر ہمارا تصرف بڑھا دیا ہے' لیکن ان معاشرتی مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا جو اِس کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوئے ہیں...... بے جان قدرت کی سائنس کو ترقی دینے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کے اندر فطرتِ انسانی کی سائنس بھی بڑی مقدار میں شامل نہ ہو' کیونکہ اسی صورت میں اس کے حاصلات دانش مندی کے ساتھ کام میں لائے جا سکتے ہیں۔'' (''سائنس اور انسانی کردار'' سکنر)

مغرب کا ایک اور ماہر نفسیات میکڈوگل اپنی کتاب ''عالمی انتشار'' میں لکھتا ہے:

''فطرتِ انسانی کے بارہ میں ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اور اجتماعی علوم کی ترقی کے لئے سدِراہ بنتی رہی ہے اور اب بھی بنی ہوئی ہے۔ یہ علوم ہمارے زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم علم نفسیات کا' علم اقتصادیات کا' علم سیاسیات کا' علم قانون کا' علم معاشرت کا اور اس کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں' لیکن سیدھی سادی حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام دلکش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان وسیع و عریض غیر آباد صحراؤں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی' لیکن یہ صحرا وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدہ کے تحت لانا پڑے گا۔

میرا ادّعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لئے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (منظم کیا ہوا' آراستہ کیا ہوا علم یا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہوا ہے۔

لہٰذا یہ ہے وہ ایک ہی طریق کار' جس سے ہم اپنی تہذیب کی موجودہ غیر یقینی اور دن بدن زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے

© rasailojaraid

انسانی اور اجتماعی علوم کو سچ مچ کے علوم کی شکل دینی چاہئے۔

انسانی اور اجتماعی علوم کی بنیاد دریافت کرنے اور ان کے طریق ترتیب و تدوین کو مہیا کرنے کی ضرورت آج اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی تو پھر عملی نقطۂ نظر سے علاج کیا ہو؟ میں اپنے جواب کو مختصر طور پر پیش کرنے کے لئے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ایک ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا...... میں ہر ممکن طریق سے اس بات کی کوشش کرتا کہ ہمارے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جائے''۔(ورلڈ کیاس' صفحات ۹' ۵۹' ۱۱۲' ۱۱۵)

میکڈوگل انسانی اور اجتماعی علوم کو نئے سرے سے لکھ کر مغربی تہذیب کو متوقع زوال سے بچانا چاہتا' کیونکہ وہ یہ اندازہ کر رہا ہے کہ مغربی تہذیب کا زوال کسی نہ کسی طرح ان علوم کی ابتر حالت کے ساتھ متعلق ہے' تاہم اسے معلوم نہیں کہ ان علوم کو کس طرح سے بدلا جائے کہ ان کے ذریعہ سے مغربی تہذیب کا زوال رک جائے۔لیکن مغرب کا ایک اور نامور مفکر ہمیں بتاتا ہے کہ مغربی تہذیب کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اس تہذیب نے غلطی سے اپنا بنیادی عقیدہ یہ قائم کیا کہ صداقت صرف وہی ہوسکتی ہے جو ہم اپنے حواس سے معلوم کریں' اور اس طرح سے خدا اور روح کے تصورات کو اپنے علوم سے خارج کر دیا' اور یہ تہذیب زوال سے نہیں بچ سکتی جب تک کسی روحانی عقیدہ کو اپنی بنیاد نہ بنائے۔اس مفکر کا نام پٹی رم سوروکن ہے جو امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا پروفیسر رہا ہے اور جس کو امریکی رسالہ ''سوشیالوجی اور سوشل ریسرچ'' عہد حاضر کا سب سے بڑا عبقری قرار دیتا ہے۔سوروکن اپنی کتاب ''ہمارے دَور کا بحران'' میں لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب ایک المناک بحران تک پہنچ گئی ہے جو عنقریب اس کی تباہی کا موجب ہوگی اور یہ تباہی دَورِ حاضر کے انسان کے لئے ذلت کا پیغام اپنے ساتھ لائے گی۔وہ لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب کے اس بحران کا سبب یہ ہے کہ:

''وہ اس عقیدہ کی بنا پر وجود میں آئی تھی کہ حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت دونوں کلیتًا بیشتر حسی اور مادّی ہیں۔ہر وہ چیز جو حواسِ خمسہ کی گرفت سے باہر ہے' بطور صداقت کے فرضی ہے' یا تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں یا اگر کوئی وجود ہے تو چونکہ اسے حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا' وہ غیر موجود کے حکم میں ہے۔چونکہ

حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت کو مادّی یا حسی قرار دے لیا گیا تھا' نہ ہر وہ چیز جو حواس کے حدِ ادراک سے ماوراء تھی' خواہ وہ خدا کا تصور تھی یا انسان کا شعور' ہر وہ چیز جو غیر حسی یا غیر مادی تھی اور جو روزمرہ کے تجربہ میں دیکھی' سنی' چھوئی یا سونگھی نہیں جاسکتی' ضروری تھا کہ اسے غیر حقیقی' غیر موجود اور بے سود قرار دیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس شجرکاری کا پہلا زہرآلود پھل یہ تھا کہ حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت کا دائرہ مہلک حد و دتک محدود ہو کر رہ گیا۔ اور جب تہذیب ایک بار اس راستہ پر چل نکلی تو پھر اس کو اسی راستہ پر آگے جانا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صداقت اور نیکی کی دنیا ہر روز اور زیادہ حسیت اور مادیت کے تنگ سانچوں میں ڈھلتی گئی''۔

سوروکن آخر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دورِ حاضر کی حسیت زدہ تہذیب کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ اپنے حسیت نواز بنیادی عقیدہ کو بدل کر اس کی جگہ کسی روحانی عقیدہ (یعنی خدا) کو اپنی بنیاد بنائے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس ''حسیت زدہ تہذیب کے تمام مفروضات اور تمام اقدار کا نئے سرے سے گہرا مطالعہ کیا جائے' اس کی بوسیدہ اور بے کار اقدار کو رد کیا جائے اور ان سچی قدروں کو بحال کیا جائے جنہیں انسانیت نے پس پشت ڈال رکھا تھا...... مذہب اور سائنس کا موجودہ افتراق حد درجہ تباہ کن ہی نہیں' بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ اگر حقیقی صداقت اور حقیقی نیکی کے معقول اور تسلی بخش نظریہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقصد کو پورا کرتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ قادرِ مطلق خدا کی صفات کو اس مرئی دنیا کے اندر آشکار کیا جائے' تاکہ خدا کے نام کا بول بالا ہو اور انسان کی عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچے۔'' (ماہانہ اسلامی تعلیم' مئی' جون ۱۹۷۲ء)

## علوم کی ازسرنو تدوین کا مسئلہ اور ہماری ذمہ داریاں

(۱) قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیا ہمارے لئے مناسب ہے کہ مغرب کے ان انسانی اجتماعی علوم کو اپنی یونیورسٹیوں میں پڑھائیں' جن کو خود مغرب کے لوگ علوم کا

© rasailojaraid

درجہ نہیں دیتے اور ان کو بدلنا چاہتے ہیں' تاکہ ان کی تہذیب تباہی سے بچ جائے؟ کیا ان علوم کو اپنا کر ہم خود بربادی کی راہوں پر نہیں چلیں گے؟ ہمیں چاہئے کہ ہم اس زہر سے پرہیز کریں جس سے مغربی تہذیب مر رہی ہے اور مغرب کے حسّی صداقت کے عقیدہ کو ردّ کر کے تمام طبیعیاتی' حیاتیاتی اور انسانی علوم کو نئے سرے سے اس طرح سے مدوّن کریں کہ خدا کا عقیدہ ان کا مرکز و محور بن جائے۔ ان علوم کی نصابی کتابوں میں خدا کے عقیدہ کو اپنے مقام پر لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مغرب میں ایسا نہیں کیا گیا۔ لیکن اب مغرب کے لوگ منتظر ہیں کہ ایسا کیا جائے' لہٰذا اب یہ رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی۔ مغرب کا ایک نامور فلسفی فیلڈ مارشل سمٹس جس نے ہولزم کے نام سے فلسفہ کی ایک عمدہ کتاب لکھی ہے' کہتا ہے:

''یہ کہنا قرین انصاف ہوگا کہ سائنس ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے شاید خدا کی ہستی کا سب سے بڑا انکشاف ہے۔ یقیناً مستقبل میں نوع انسانی کے لئے کرنے کے بڑے بڑے کاموں میں سے ایک یہ ہوگا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ وابستہ کر لے اور اس طرح اس مہیب خطرے کا سدباب کرے جو ہماری تہذیب کے مستقبل کو درپیش ہے۔''

(۴) اسلامی نظامِ تعلیم میں اسلامیات کا مضمون الگ بھی پڑھانا ضروری ہے' لیکن ہمیں چاہئے کہ ہم اس مضمون کی نصابی کتابوں کو اس طرح سے تیار کریں کہ وہ تمام اسلامی احکام کی (جن میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ بھی شامل ہیں) اور اسلامی ضابطۂ اخلاق کی دل نشیں وضاحت کرنے کے علاوہ اسلام کو ایک نظریۂ کائنات کے طور پر اس طرح سے پیش کریں کہ زمانۂ حال کا انسان جو ہر اعتقاد اور عمل کی عقلی اور علمی توجیہہ چاہتا ہے' اس سے پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ اسلامیات کے طالب علم کے لئے اس زمانہ میں ان دو سوالات کا تسلی بخش جواب معلوم کرنا حد درجہ ضروری ہے:

۱۔ انسان کو مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟

۲۔ صرف اسلام ہی وہ مذہب کیوں ہے جو انسان کی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے؟

خدا کا شکر ہے کہ اب اسلام کا فلسفہ ہمارے پاس اس شکل میں موجود ہے کہ ہم اس

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

om